پلکیں بھیگی بھیگی سی

فاخرہ بتول



فہرست

شاعری کا نوخیز پھول .... فاخرہ بتول

کسی زمانے میں شاعروں کے بارے میں تصور تھا کہ یہ زندگی میں نارمل ڈگر سے ہٹے ہوئے، خیال و خواب کی دنیا میں رہنے والے بے فکر و بدحال قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو ہر وقت محبوب کی جدائی میں آنسو بہاتے رہتے ہیں ----- جبکہ درحقیقت شاعری کسی قوم کے شعوری ارتقاء میں اہم کردار ادا کرتی ہے، اہل قلم رائے عامہ کا رخ متعین کرنے اور قوموں کو مثبت راستوں کی نشاندہی کے لئے اپنی تخلیقی صلاحیتیں استعمال کرتے ہیں۔ زندگی کے دکھ ہوں یا تیز رفتار معاشرے کے پیدا کردہ مسائل، شاعری تسکین قلب اور ذہنی کتھارسس کا باعث بنتی ہے اور شاعر اپنی ذات کے حوالہ سے انسانی جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتا ہے۔ آج کا شاعر بال بکھرائے وحشت زدہ چہرہ اٹھائے پھرنے والا شخص نہیں ہے بلکہ وہ معاشرے کا انتہائی ذمہ دار، باشعور اور حساس فرد ہے جو اپنی ذات سے باہر دوسروں کے دکھ درد کو بھی محسوس کرتا ہے اور اپنے فکری اور تخلیقی جوہر کو انسانی زندگی کو نکھارنے کیلئے خوبصورت اشعار میں ڈھال کر اپنی ذات کی تسکین بھی کرتا ہے اور اپنے قاری کے لئے بھی فرحت و اطمینان کا باعث بنتا ہے اور اسے سوچنے پر مجبور بھی کرتا ہے۔

بعض لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا ہے کہ شاعری بہت زیادہ ہونے لگی ہے، اس بارے میں میرا خیال ہے کہ یہ کوئی افسوس کرنے کی بات نہیں کہ باغ میں پھول بہت کھلنے لگے ہیں۔ پندرہ کروڑ کے لگ بھگ آبادی میں آج بھی شاعروں کی تعداد بہت محدود ہے اور اچھا شعر کہنے والوں کی تو بہت ہی کمی ہے۔ بہرحال جہاں جیسی بھی شاعری ہو رہی ہے اس سے شعروادب سے دلچسپی میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور اس کے نتیجے

میں بہت اچھی شاعری کی توقع بھی کی جاسکتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شاعر غالب اور اقبال بن سکے لیکن فیض اور فراز تو سامنے آ ہی جاتے ہیں۔ ہر شاعرہ زہرہ نگاہ اور ادا جعفری سے بڑی شاعرہ نہ بھی بن سکے تو پروین شاکر اور شاہدہ حسن کا مقام تو نظر میں رکھاجاسکتا ہے۔ اسی طرح زہرہ نگاہ سے شبنم شکیل اور فاخرہ بتول تک سب ہی ایک اعلیٰ مرتبہ میں برابر ہیں کہ انھیں تخلیق کار شاعرات ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

اس مادہ پرست عہد میں دولت اور سماجی مرتبہ کی بھاگ دوڑ میں سے وقت نکال کر انسانی محسوسات کی ترجمانی' فکری رہنمائی اور جذباتی اطمینان کی فراہمی کے لئے شعروادب جیسے بظاہر بے سود کام میں مصروف رہنے والے لوگ معاشرے کا اصل سرمایہ ہیں اور ڈش انٹینا کے عہد میں کتاب سے دلچسپی قائم رکھنے والے لائق داد ہیں۔ مجھے پاکستان کے مستقبل کے بارے یہ دیکھتے ہوئے بہت اطمینان محسوس ہوتا ہے کہ نئی نسل میں حب وطن کا جذبہ اور بہتر معاشرے کے قیام کی خواہش اور شعرو ادب سے دلچسپی میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ جو قومیں مادی ترقی کے ساتھ ساتھ ادبی و ثقافتی ارتقاء کا بھی خیال رکھتی ہیں ان کا مستقبل حال سے یقیناً بہتر ہوتا ہے

شاید بات متعلقہ ہونے کے باوجود اصل موضوع سے ذرا ہٹتی جارہی ہے۔ ان سطور کے لکھنے کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ آپ کو اس کتاب کے بارے میں سرسری معلومات دی جائیں لیکن میرا خیال ہے یہ باتیں بھی کچھ زیادہ غیر ضروری نہیں تھیں۔ کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے' اس کے معیار کے بارے میں فیصلہ کا اصل حق تو قارئین کا ہے۔ شعروں کے حوالے دے دے کر مضمون مکمل کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ ایسی شاعری پسند کرتا ہوں جو دل سے نکلی ہو اور دل میں اتر جانے کی تاثیر رکھتی ہو۔ یہ تاثیر مجھے فاخرہ بتول کے کلام میں نظر آئی ہے۔ ان کی شاعری میں کہیں ناپختگی کا احساس نہیں ہوتا۔ اگرچہ مزید بہتری کے امکانات موجود ہیں۔ فاخرہ بتول نوجوان شاعرہ ہیں لیکن روایت کی باغی نہیں ہیں۔ نظم کی طرف ان کی خاص توجہ ہے اور انہوں نے غزل بھی بہت اچھی کہی ہے۔ شاعری نہ تو خوبصورت الفاظ کی ترتیب کا نا

ہے اور نہ ہی واقعات کو منظوم کرنا تخلیقی شاعر کا کام ہے بلکہ شعر تو جذبے اور خیال کی خوشبو کو خوبصورت اظہار کے رنگوں میں سمونے کا ہنر ہے۔ فاخرہ اس ہنر سے مالامال ہیں' بے ساختگی اس کے کلام کا خاصہ ہے۔ وہ خیال کو علامتوں میں الجھانے اور جذبے کو بوجھل لفظوں میں چھپانے کی بجائے واضح اظہار کو اہمیت دیتی ہیں اور فطری تخلیقی رو کے تحت شعر کہتی ہیں۔ روایت کے اندر رہتے ہوئے نیا شعر تخلیق کرنا مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام وہ بڑی سہولت سے کر رہی ہیں۔ ان کے ہاں ذات کا غم' ماحول کے کرب سے ہم آہنگ ہو کر شعر کے روپ میں ڈھلتا ہے اور قاری کو ایک لطیف احساس سے ہمکنار کرتا ہے۔ نئی نسل کے بے باکانہ اظہار کا انداز ان کے فن کی انفرادیت ہے لیکن اس میں وہ ایک خاص سلیقہ رکھتی ہیں جس سے نفیس اشعار جنم لیتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔

محبت کا انوکھا قافلہ ہے
کہ اس کا ہر مسافر لٹ رہا ہے

ان کی نظم کے موضوعات متنوع ہیں اور غزل میں بھی انہوں نے رومانی موضوعات کی روایت سے ناطہ قائم رکھتے ہوئے منفرد اسلوب اپنایا ہے۔ یہ شعر ملاحظہ کیجئے۔

خود کو ہم راز دل سنا ڈالیں
کیا خبر راز داں ملے نہ ملے

ہمارے آج کے معاشرہ میں لوگ جس جذباتی گھٹن اور ذہنی تناؤ کا شکار ہیں اس میں فاخرہ بتول کی شاعری امید اور حوصلے کے رنگ لئے' ہلکی سی اداسی کے ساتھ ایک کیف آور فضا پیدا کرتی محسوس ہوتی ہے اور مجھے امید ہے "پلکیں بھیگی سی" شعر سے دلچسپی رکھنے والوں کی خصوصی توجہ حاصل کرے گی۔

عمر زمان ۔ لاہور

21 - مارچ 1998ء

پلکیں بھیگی بھیگی سی کے تناظر میں

فاخرہ کی قابلِ فخر شاعری

ترو تازہ سی، ایک الگ سی، عام ڈگر سے ہٹ کے، خوشگوار شاعری، فاخرہ بتول کی کتاب "پلکیں بھیگی بھیگی سی" میں پڑھنے کو ملی۔ حیرت انگیز حد تک تجربوں، مشاہدوں اور مطالعوں کا نچوڑ بعض نظموں اور غزلوں میں ملا۔ نظمیں بہت اچھی لگیں، نظموں سے بڑھ کر کئی غزلیں اچھی لگیں۔ ان اچھی نظموں، غزلوں کی خالق کو دیکھو تو محسوس نہیں ہوتا کہ اس البیلی، بے فکری، شوخ، چنچل سی لڑکی میں تجربوں کے انگارے بھرے ہیں، زمانے نے جو دیا، حوادث و افکار نے جو گرد ڈالنا چاہی، اس نے زمانے کو لوٹا دی، مگر بے سلیقی، سے نہیں، خوش سلیقگی سے، متانت سے، وقار سے، رکھ رکھاؤ سے ------! چھوٹی سی، مختصر سی مگر ایک جہان معنی لئے ہوئے کیا خوبصورت نظم ہے، ملاحظہ ہو!

محبت مر بھی سکتی ہے

بہم رہ کر،
اگر بڑھ جائیں، دل کے فاصلے یک دم
بچھڑ جانے کا پھر تو فیصلہ یہ کر بھی سکتی ہے
محبت مر بھی سکتی ہے!

جذبوں کی شدت، تجربے کا کچا پکا پن اور مشاہدے کی گہرائی یہ فاخرہ بتول کی نظموں، غزلوں کا مرکزی نقطہ ہے، بعض نظمیں ایسی ہیں جن پر تبصرہ نہیں کیا جاسکتا، بس پڑھئے اور پڑھتے رہئے ------

چاند، گلاب اور میں

جو کہتا تھا اکثر مجھ کو
چاند گلاب اور تیرا چہرہ
تینوں ایک سے لگتے ہیں
شاید اس کو خواب خبر تھی
چاند بنا ہے شب کا حصہ
اور گلاب کے سر پر پت جھڑ
مجھ کو درد ہجر ملا ہے ----!

میں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "پروین شاکر کے ہاں، اس کی پہلی کتاب "خوشبو" کی حد تک جذبوں کا کنوارپن نئی نسل کو متوجہ کرتا ہے وہ ہمارے عہد کی ایک خوشگوار خوبصورت شاعرہ ہیں ---!

پروین شاکر کے بعد کی شاعرات سیدہ آمنہ بہار رونا، ناصرہ زیدی اور فاخرہ بتول کے نام بھی متذکرہ بیان کے ذیل میں آتے ہیں۔

غزل شروع سے ہی اُردو ادب کی مقبول ترین صنفِ سخن رہی ہے اور آج تک بھی تمام اصنافِ ادب پر غزل ہی حاوی ہے۔ حضرت جگر مراد آبادی نے نجانے کس عالم میں کبھی یہ کہہ دیا تھا کہ "عورتوں کو غزل نہیں کہنا چاہئے کہ وہ تو خود مجسّم غزل ہوتی ہیں" ----! غزل کے ایک معنی جو مقبول ہیں وہ عورتوں سے یا محبوباؤں سے باتیں کرنے کے ہیں لیکن دوسرے معنی "صدائے دردناک" کے بھی تو ہیں۔ غزل، لفظ غزال سے مشتق ہے اور غزال ہرن کو کہتے ہیں۔ جنگلی ہرن کے پیچھے جب شکاری کتے

تعاقب میں ہوتے ہیں اور گردن دبوچنے کی حالت کو پہنچتے ہیں تو زقند بھرتا ہوا غزال (ہرن) ایک "صدائے دردناک" یا "صدائے احتجاج" بلند کرتا ہے۔ اس آواز کو یا چیخ کو غزل کہتے ہیں۔ مردوں کی بالادستی کے معاشروں میں عورت کے ساتھ جو "حسنِ سلوک" روا رکھا جاتا ہے، اس کے جواب میں عورت بھی "غزل" کہہ سکتی ہے اور زیادہ بامعنی انداز میں کہہ سکتی ہے، ایسی غزلیں ہماری بہت سی شاعرات نے کہی بھی ہیں۔ فہمیدہ ریاض، کشور ناہید، شبنم شکیل اور ان سے پہلے ادا جعفری، زہرا نگاہ، سحاب قزلباش کے نام ہماری اردو شاعری کی خصوصاً پاکستانی شاعری کی مانگ کے ستارے ہیں۔ نسوانی جذبات و احساسات کے موتیوں سے اردو شاعری کے دامن کو بھرنے والی شاعرات کے جلو میں فاخرہ بتول کا رنگ اپنا ہے، انداز اپنا ہے، لہجہ اپنا ہے، مختلف غزلوں کے یہ اشعار ذرا دیکھئے اور لطف لیجئے۔

مرے چہرے پہ یہ کھلتا اُجالا
تری نظر میں ٹھہرنے سے ملا ہے
جدائی، رت جگا، کربِ مسلسل
چلو تم نے ہمیں کچھ تو دیا ہے

جب وہ آیا تو کوئی در کوئی کھڑکی نہ کھلی
اس نے آنے میں بہت دیر لگا دی ہو گی
جا تری پلکوں پہ برسات کا موسم ٹھہرے
بادلوں نے مری آنکھوں کو دُعا دی ہو گی
رات جو چاند کو چُپکے سے بتائی میں نے
بات وہ سب کو ہواؤں نے بتا دی ہو گی

تری دہلیز کا پتھر ہوئیں آنکھیں میری
ہاں جنوں کے یہی آثار ہوا کرتے ہیں

بجھا بجھا اُسے پایا تو کچھ ہوئی تسکیں
کہ خوش تو وہ بھی نہیں ہم سے بے خبر ہو کر
وہ مسکرا کے ملا جب تو مٹ گئے شکوے
کہ شام شام کہاں رہتی ہے سحر ہو کر
یہ کہکشاں ترے قدموں میں آ بچھے گی بتولؔ
کسی کا رہنا پڑے گا تجھے مگر، ہو کر

بے وفائی کا اب گلہ کیسا
آپ پہلے بھی کب ہمارے تھے

بند مٹھی سے جو اُڑ جاتی ہے قسمت کی پری
اس ہتھیلی میں کوئی چھید پرانا ہو گا
ہاتھ لکھنے پہ مُصر خوف زمانے کا بتولؔ!
پیڑ پر نام کوئی لکھ کے مٹانا ہو گا

کبھی جگنو کبھی تارے کبھی نرگس کہہ کر
تم مری آنکھوں کو اس طرح تو چھیڑا نہ کرو

مت جُدا کرنا اس کو آنکھوں سے
خواب کا پھر دھواں ملے نہ ملے

دل گنوا بیٹھتے ہیں آخر کار
ہر کسی سے جو دل لگاتے ہیں

پلکیں بھیگی بھیگی سی
پھر بھی کیا روتے ہیں
ناواقف ہیں چاہت سے
راتوں کو جو سوتے ہیں

بہت نزدیک ہیں آنکھیں تمہاری
بھلا ہم کس طرح پلکیں اٹھائیں؟

میں اس وقت جلدی میں ہوں، جیکب آباد کے کل پاکستان مشاعرے کے لئے یادر رکاب سکھر کے لئے فلائٹ کا وقت نزدیک تر آ رہا ہے ورنہ سارا مجموعہ سنا ڈالتا مگر پھر آپ کتاب میں کیا پڑھیں گے؟ خود بھی تو کچھ پڑھیے اور دیکھیے کہ شاعری میں ایک خوبصورت توانا نسوانی آواز کا اضافہ کس قدر قابلِ ستائش ہے!!

ناصر زیدی
13 اپریل 1998ء

○

محبت کا انوکھا قافلہ ہے
کہ اس کا ہر مسافر لُٹ رہا ہے

تعلق جوڑنا اچھا ہے کتنا
تعلق توڑنا کتنا بُرا ہے

مِرے چہرے پہ یہ کِھلتا اُجالا
تِری نظروں ٹھہرنے سے مِلا ہے

جُدائی، رَت جگا، کربِ مسلسل
چلو تم نے مجھے کچھ تو دیا ہے

کڑی ہر غم کی ملتی ہے اسی سے
تُمہاری یاد کا جو سلسلہ ہے

مرا دامن مگر پھر بھی ہے خالی
بظاہر صحن پھُولوں سے بھرا ہے

مِرے چاروں طرف اندھیر نگری
مِرے ہاتھوں میں مٹی کا دیا ہے



میری چاہت کا سرِعام تو چرچا نہ کرو
کم تو پہلے بھی نہیں اور تو رُسوا نہ کرو

کبھی مُجگنو، کبھی تارے، کبھی نرگس کہہ کر
تم مِری آنکھوں کو اِس طرح تو چھیڑا نہ کرو

بھانپ جائے نہ کہیں دل کی لگی یہ دُنیا
یُوں شفق بن کے مِرے چہرے پہ ٹھہرا نہ کرو

بات چھوٹی سی بھی افسانہ بنا دیتی ہے
تم کتابوں پہ مِرے نام کو لکھا نہ کرو

ہے عبادت کی طرح نام تُمہارا بھی مجھے
تم صحیفے کی طرح ذہن میں اُترا نہ کرو

دل کو بے چین سا کرتی ہیں تُمہاری آنکھیں
رات کو دیر تلک تم مجھے سوچا نہ کرو

سامنے سب کے کرے کس طرح اقرار بتولؔ
یُوں سرِبزم تو اس سے یہ تقاضا نہ کرو

تم میرے کیا ہو —— ؟

جو مجھ سے پوچھا ہے آج تم نے
کہ میں تمہارا ہوں کیا، بتاؤ
تو خود ہی سوچو —— تم ایک پل کو
بھلا میں کیسے تمہیں بتاؤں
ہے تم سے میرا وہی تعلق
جو اپنے سائے سے ہے شجر کا
وہی جو خورشید سے قمر کا
گُلوں سے ہوتا ہے جو مہک کا
کسی کی آنکھوں کے مست ڈوروں سے
اس کے محبوب کی جھلک کا

میں ہوں بدن تو، تم اس کی جاں ہو
بہار موسم کے ترجماں ہو
لہو کی صُورت مِری رگوں میں
ہر ایک لمحے، رواں دواں ہو
نماز ہوں میں، تو تم اذاں ہو
مکین ہوں میں، تو تم مکاں ہو
زمین ہوں میں، تم آسماں ہو
وہی تعلق ہے تم سے میرا
جو دل سے ہوتا ہے دھڑکنوں کا
خُمار سے ہے جو مے کشوں کا
جو شاعروں سے ہے مہ وشوں کا
جو حُسن والوں سے دل جلوں کا
ہے زُہد سے جو بھی زاہدوں کا
جو راستوں سے ہے منزلوں کا

جو منزلوں سے ہے رہبروں کا
ازل سے دھرتی سے پربتوں کا
وہی جو ساگر سے ساحلوں کا
جو رُوح سے ہے کسی بدن کا
وہی جو چندا سے ہے کرن کا
جو باغباں سے کسی چمن کا
ہے گُفتگو سے کسی دہن کا
جو بارشوں کا زمین سے ہے
عبادتوں کا جبین سے ہے
وہی تعلق ——
ازل سے اپنے بھی درمیاں ہے
تُمھی بہاروں کی دلکشی ہو
تُمھی تو آنکھوں کی روشنی ہو
جو سچ کہوں، تم مری خوشی ہو

تمہی اُجالا —— تمہی صبا ہو
تم آرزو ہو —— تمہی وفا ہو
تمام جذبوں کی انتہا ہو
تو کیوں نہ تم پر یہ دل فدا ہو
بتاؤ جاناں! ہے اتنا کافی؟
کہ اور کچھ بھی تمہیں بتاؤں
جو ہو سکے تو خیال رکھنا
تمہارا مجھ سے وہی ہے رشتہ
ملائکہ سے جو بندگی کا
جو مرنے والے سے زندگی کا
سمندروں کا جو سیپ سے ہے
وہی جو آنکھوں کا دیپ سے ہے



بھول جانے کا تو بس ایک بہانہ ہو گا
کہ بہر طور اُسے یاد تو آنا ہو گا

کوئی موسم ہو، مہکتا رہے، شاداب رہے
اپنی آنکھوں کو کنول ایسا بنانا ہو گا

بند مُٹھی سے جو اُڑ جاتی ہے قسمت کی پری
اس ہتھیلی میں کوئی چھید پُرانا ہو گا

آبلے پاؤں کے مہکیں تو مگر درد نہ دیں
دشت میں ریت کے ذرّوں کو بتانا ہو گا

زاویے اس کی نگاہوں کے بڑے قاتل ہیں
سامنے اس کے بہت سوچ کے جانا ہو گا

گھاؤ کتنا بھی پُرانا ہو، بہر حال اسے
کچے موسم کی شرارت سے بچانا ہو گا

ہاتھ لکھنے پہ مُصر، خوف زمانے کا بتوَل
پیڑ پر نام کوئی لکھ کے مٹانا ہو گا



وہ جو لہروں پہ گھر بناتے ہیں
اک نہ اک روز ڈُوب جاتے ہیں

دل گنوا بیٹھتے ہیں آخر کار
ہر کسی سے جو دل لگاتے ہیں

کچھ ستارے اُفق سے، تکتے ہیں
کچھ اِن آنکھوں میں مُسکراتے ہیں

سر پہ تانے گئے ہیں سات فلک
کس قدر بوجھ ہم اُٹھاتے ہیں

وہ جو پلکیں بچھایا کرتے تھے
رہ میں کانٹے وہی بچھاتے ہیں

معمّہ

رات اور دن اور چاروں موسم
پیا سا در پن —— پگلا جوبن
جانے اس میں راز ہے کیسا
اک آئے تو دُوجا جائے
دونوں ساتھ کبھی نہیں دیکھے
دونوں ساتھ کبھی نہیں آئے

اُداسیاں بے سبّب نہیں ہیں

خیال رکھنا ——
اُداسیاں بے سبب نہیں ہیں!
اُداسیوں کا اگر یہ موسم
ٹھہر گیا تو —— غضب کرے گا
نہ جی سکو گے —— نہ مر سکو گے
نہ کام ہی کوئی کر سکو گے
کسی کو ہر پل طلب کرے گا ——
اُداسیاں بے سبب نہیں ہیں!
سنو جو لمحے ہیں آج حاصل
انہیں ہمیشہ سنبھال رکھنا'

وفا کے گُلشن میں چاروں جانب
بہار رکھنا —— نکھار رکھنا،
محبتوں کا وقار رکھنا،
اُداسیاں بے سبّب نہیں ہیں ——
جہاں میں کتنے ہی لوگ آئے
رہے، بسے ہیں، اُجڑ گئے ہیں
مگر یہ جذبے ازل سے ہیں اور
ابد تلک بھی یونہی رہیں گے،
تم اپنی آنکھوں میں سارے جذبوں کا
پہلے جیسا ہی جال رکھنا
اُداسیاں بے سبب نہیں ہیں ——
ذرا یہ سوچو، بچھڑ گئے تو
کہاں ملیں گے،
یونہی رہیں گی تمام راہیں

مگر یہ راہی نہ مل سکیں گے،
بہار میں بھی خزاں کی صُورت
نہ پھُول ہر سمت کھِل سکیں گے،
نہ دل کو اپنے اُداس رکھنا
ہر ایک جذبے کا پاس رکھنا
ملیں گے آخر یہ آس رکھنا
اُداسیاں بے سبّب نہیں ہیں!



اُس گلی کا نشاں ملے نہ ملے
پھر سے وہ جانِ جاں ملے نہ ملے

نین گویا، تھی مُہر ہونٹوں پر
پیار کا وہ سماں ملے نہ ملے

خود کو ہم حالِ دل سُنا ڈالیں
کیا خبر رازداں ملے نہ ملے

وصل کے راز اس پہ لکھ ڈالو
پھر یہ آبِ رواں ملے نہ ملے

مت جُدا کرنا اس کو آنکھوں سے
خواب کا پھر دھواں ملے نہ ملے

انجام

آغاز یُوں ہوا تھا
اُس نے گلاب بھیجا
میں نے کتاب کھولی
اور اس میں رکھ دیا وہ
سب سے اسے چھُپایا
انجام یہ ہوا ہے
کچھ خشک پتیاں ہیں
تھوڑی سی ہے مہک بھی
بس اور کچھ نہیں ہے



تُو نے اک بار پُکارا ہوتا
تو بھنور آپ کنارا ہوتا

مِری پلکوں پہ لرزتا موتی
تِری قسمت کا ستارا ہوتا

گر تواتر سے خوشی بھی ملتی
تو غمِ دل بھی گوارا ہوتا

وار کرتا وہ اُجالے میں اگر
مرا قاتل مجھے پیارا ہوتا

بہار

پھر بہار آئی ہے
رنگ و نُور بکھرا ہے
زندگی کے میلے میں
اک سرور بکھرا ہے

رُوپ کے نگر میں پھر
ہر کلی پہ جوبن ہے
رنگ کے بھنور میں گُم
آرزو کا گُلشن ہے

اُجلے موسموں میں پھر
پھُول مُسکراتے ہیں
ٹھہرے پانیوں میں پھر
عکس جھلملاتے ہیں

سا دُور بادلوں میں جب
چاند جگمگاتا ہے
دفعتا" کوئی مجھ کو
پھر سے یاد آتا ہے

اور سوچتی ہوں میں
خوشبوؤں کے ریلے میں
کاش وہ ملے مجھ کو
ایک دن اکیلے میں

بے سکون بستی میں
پھر قرار آ جائے
میرے اُجڑے گُلشن میں
پھر بہار آ جائے



یونہی یہ سلسلہ کیسے چلے گا
کہاں تک دیپ آندھی میں جلے گا

بدل جانے کا موسم آ رہا ہے
نہیں ممکن ہے، اب وہ ساتھ دے گا

تپش ہے ریت میں، پیروں میں چھالے
مُسافر راستے میں گِر پڑے گا

ہے اپنا شہر اور آنکھیں پرائی
یہاں کیسے کوئی اپنا ملے گا

روایت ہے بچھڑ جانے کی لیکن
اگر مل جائے تو کیسا رہے گا

ڈروں کیونکر خزاں کی اوڑھنی سے
کہیں تو پھول بھی کوئی کھِلے گا



وہ جو خار چبھوتے ہیں
پھولوں جیسے ہوتے ہیں

پلکیں بھیگی بھیگی سی
پتھر بھی کیا روتے ہیں؟

بھرتے بھرتے، بھرتے ہیں
زخم جو گہرے ہوتے ہیں

آؤ دل کی دھرتی میں
بیج وفا کے بوتے ہیں

ناواقف ہیں چاہت سے
راتوں کو جو سوتے ہیں

داغ، بتولؔ جگر کے ہم
اشکوں ہی سے دھوتے ہیں

پگلی

آنکھوں میں انجانے خواب
لب جیسے انمول گُلاب

ہونٹ ہیں چُپ چُپ، بولیں نین
من بھیدوں کو کھولیں نین

ہر دم گھُومے وہ سنسار
برکھا ہو، پت جھڑ کہ بہار

کہتے ہیں سب اُس کو پگلی
جانے کِس کی کھوج میں نکلی

گہرا اُس کے من کا روگ
چہرہ پڑھ سکتے ہیں لوگ

میں نے اک دن اُس سے پُوچھا
روگ لگا ہے تجھ کو کیسا ؟

ریت پہ کیا لکھتی رہتی ہو؟
جوگن بن کے کیوں پھرتی ہو؟

ریت پہ اُس نے نام لکھا تھا
انجانا پیغام لکھا تھا

اجیارے کو شام لکھا تھا
اُس نے تیرا نام لکھا تھا



خواب آنکھوں کو جگاتے تو کوئی بات بھی تھی
دل میں ہلچل سی مچاتے تو کوئی بات بھی تھی

مانا ہم سے تو کوئی بات بنائے نہ بنے
آپ ہی بات بناتے تو کوئی بات بھی تھی

چھوڑ کر جانے کی یہ ریت پُرانی ہے بہت
آپ آکر نہیں جاتے تو کوئی بات بھی تھی

آج ٹُوٹا ہے یقیں، بھیگ گئی ہیں پلکیں
ہم جو خوش ہوکے دِکھاتے تو کوئی بات بھی تھی

وعدۂ وصل تو دستور پُرانا ٹھہرا
لوگ اس کو جو نبھاتے تو کوئی بات بھی تھی



کس قدر بے شعور ہوتے ہیں
وہ جو غرقِ سرور ہوتے ہیں

جن کی آنکھیں حیا سے عاری ہوں
ان کے دل میں فتور ہوتے ہیں

آگ جنگل کی چاہے بجھ جائے
سہمے سہمے طیور ہوتے ہیں

اُس کی رحمت کی آس پر سرزد
ہم سے لاکھوں قصور ہوتے ہیں

کر کے آباد بستیاں اکثر
لوگ اُجڑے ضرور ہوتے ہیں

دو شعر

میں بھی نہیں ہوں، تُو بھی نہیں ہے تو اور پھر
وہ کون ہے جو صحن میں دیوار کر گیا !

آنکھوں کی پُتلیوں میں سجا کر وہ خوابِ وصل
پھر ہجر کو نوشتۂ دیوار کر گیا ! !

عکس

وہ خواب خواب سی آنکھیں تھیں بادلوں کی سفیر
دُھواں دُھواں سی تھیں سوچوں میں جانے کب سے اسیر
تھے اس کے ہونٹوں کے تالے بھی زنگ آلودہ
اسے یوں دیکھ کے لگتا تھا جیسے اک بچہ،
گیا تھا دیکھنے میلہ کسی کا تھام کے ہاتھ
نہ جانے بھیڑ میں تنہا وہ رہ گیا کیسے
مجھے وہ پھول لگا اک گُلاب کا جس کو
کسی نے شاخ سے توڑا مگر نہیں سُونگھا
خود اپنے پیروں کے نیچے مسل مسل ڈالا
سوال اس سے کیا میں نے یہ بتاؤ ذرا

ہو کون، کس لئے خاموش اس قدر رہو بھلا؟
بتاؤ خار اُگائے ہیں کس نے راہوں میں؟
نمی خفی سی ہے کیسی تمہاری آنکھوں میں
مری طرح سے کہیں تم بھی تو نہیں تنہا؟
رہِ وفا میں ملی تو نہیں تمہیں بھی دغا؟
وہ چُپ رہا، نہیں بولا تو میں نے بڑھ کے اُسے
چُھوا تو یہ ہوا ادراک میرے سامنے تو
ہے ایک آئینہ اور اس میں عکس ہے میرا



هم نے مُنصف جسے بنایا تھا
دار تک ساتھ چل کے آیا تھا

راستے میں جو اعتبار ملا
ہم نے منزل پہ جا گنوایا تھا

مت یقیں تم بہار کا کرنا
زرد پتوں نے یہ بتایا تھا

اس لئے ہم فریب کھا بیٹھے
آزمُودہ کو آزمایا تھا

آندھیاں کیا بگاڑتیں اس کا
وہ جو طُوفاں سے لڑ کے آیا تھا

نین پہیلی

سہمی سہمی، بوجھل بوجھل
اکثر ان کا موسم جل تھل

اُٹھتی گرتی ان پر چلمن
پاگل کر دے ان کا درشن

رات سے گہری ان کی رنگت
ہوش گنوائے ان کی سنگت

چھلکے چھلکے پیمانے ہیں
قائم ان سے میخانے ہیں

یا ہیں دو گہرے سے ساگر
پیاس رہے کب انکو پاکر

چُپ رہ کر بھی گھنٹوں بولیں
بھید یہ من کے سارے کھولیں

ڈُوب کے ان میں کوئی نہ اُبھرے
ساگر سے بھی بڑھ کر گہرے

شاعر ان پر گیت لکھے ہے
ان کو من کا میت لکھے ہے

سوتے میں بھی ہر دم جاگیں
پیتم ہیں یہ تیری آنکھیں

ہیرے، موتی، لعل، گہر ہیں
تیری آنکھیں میرا گھر ہیں

قائدِ اعظم

پرندے آشیاں کی جُستجو میں
ہواؤں کے تھپیڑے کھا رہے تھے
سمندر اپنی ہستی میں سمٹ کر
فقط اک آبجو کہلا رہے تھے

تھے سارے ماہ و انجم پستیوں میں
جو کنکر تھے فلک پر جا رہے تھے
کرن تھی تیرگی کی شال اوڑھے
گُل و گُلشن سبھی مرجھا رہے تھے

انہی پژمُردہ شاخوں پر اچانک
مہک اٹھا گلابِ غیر فانی
پرندوں نے کہا اک دُوسرے سے
ذرا دیکھو! یہ حسنِ جاودانی

کُہن تر تھی جو زنجیرِ غلامی
گُلابی پتیوں سے کاٹ ڈالی
لہو پودوں کی شریانوں کو بخشا
چمن کی آبرو اس نے بچالی

مصوّر نے دیا واضح تصوّر
مکمل کی حسیں تصویر اس نے
کسی نے خواب دیکھا تھا سُہانا
تو بخشی خوش نما تعبیر اس نے

شعورِ آگہی ہم سب کو بخشا
جبھی تو بہرہ ور کہلا رہے ہیں
اسی کی کاوشوں کی دین ہے یہ
جسے حق جان کر اپنا رہے ہیں

امانت ہے یہ ارضِ پاک اس کی
یہ پرچم فکرِ قائد کا ثمر ہے
اور اس پر چاند تارے کا یہ گہنا
ہمارا ہم سفر ہے' راہبر ہے

کہا اس نے رہو ایماں پہ قائم
اخوت کی نہ تم زنجیر توڑو
بہم ہو اتحاد و نظم دائم
کبھی جمہوریت سے منہ نہ موڑو

جو ہم ہوں قائد اعظم کے پیرو
تو منزل آ کے قدموں میں گرے گی
عمل پیرا اُصولوں پر ہوں اس کے
یقیناً اپنی قسمت پھر بنے گی

دو شعر

جب وہ آیا تو کوئی در کوئی کھڑکی نہ کھُلی
اس نے آنے میں بہت دیر لگا دی ہو گی

دوش اپنا بھی ہے کچھ بات بگڑ جانے میں
اور لوگوں نے بھی کچھ اس کو ہوا دی ہو گی

○

پھر اُسی کا خیال آیا ہے
وہ جو اپنا نہیں پرایا ہے

جس کا درماں کہیں نہیں ملتا
روگ دل نے وہی لگایا ہے

کرچیاں ہیں کہ میرا چہرہ ہے
آئینہ کون توڑ لایا ہے

نام لکھا تھا پتھروں پہ ترا
ہم نے ہونٹوں سے جو مٹایا ہے

لاکھ سوچا مگر خبر نہ ہوئی
چین دل کا کدھر گنوایا ہے

لوٹ آئے کسی کے در سے بتولؔ
ہم نے یوں خود کو آزمایا ہے



بے وفا وہ بھی ہُو بہُو نکلا
سببِ ترکِ آرزو نکلا

گُلِ بے شاخ اور اِس دل سے
آج اک ساتھ ہی لہو نکلا

تھا سمندر جو دیکھنے میں بتولؔ
وہ حقیقت میں آبجو نکلا

عجیب موسم ہے بارشوں کا

×

عجیب موسم ہے بارشوں کا
کہ جس میں جذبے سُلگ رہے ہیں'
دُھواں دُھواں ہیں یہ بھیگی آنکھیں
جگر کے چھالے بھی تپ رہے ہیں'
جلے ہوؤں کو جلا رہا ہے
عجیب موسم ہے بارشوں کا
پیام کوئی —— سلام کوئی
گلاب کوئی —— نہ خواب کوئی
تمہاری جانب سے' پہلے پایا ہی کب تھا میں نے
کوئی بھی جذبہ

تو کیوں یہ خواہش جگا رہا ہے
عجیب موسم ہے بارشوں کا
جو دل کی دھرتی کے رنگ سارے
مٹا رہا ہے —— ستا رہا ہے
عجیب موسم ہے بارشوں کا!

سنّاٹا

وہ کہاں بس گیا جو کہتا تھا
جو یہ کہتا تھا توڑ کر ناتے
اس جہاں سے جہاں کی دولت سے
میری دنیا میں تم چلی آنا
اس کے لفظوں کا پاس رکھنے کو
میں نے سب کچھ لُٹا دیا اپنا
آج کیوں رہ گئی مگر تنہا؟
میرے چاروں طرف ہے سنّاٹا
ڈس رہا ہے جو رات دن مجھ کو
وہ، مگر اب نظر نہیں آتا



ستارے کس طرح رستہ دکھائیں
مسافر حوصلہ جب ہار جائیں

یونہی چلتے ہوئے اک ساتھ ہم تم
زمانے کی نگاہوں میں نہ آئیں

بہت نزدیک ہیں آنکھیں تُمھاری
بھلا ہم کس طرح پلکیں اُٹھائیں

یہ زخمِ دل ہرے ہونے لگے ہیں
بہاروں سے کہو اب لوٹ جائیں

بچھڑ جانے کا کرکے فیصلہ ہم
چلو اس بار خود کو آزمائیں



یاد کرنے کی خطا کرتے ہیں
ہم کہاں جور و جفا کرتے ہیں

پہلے نم ہوتی ہیں پلکیں پل پل
بعد میں زخم بھرا کرتے ہیں

زیرِ لب بات مگر باقی ہے
یُوں تو ہم روز ملا کرتے ہیں

کس نے جذبوں کا تکلّم دیکھا
یہ تو محسوس ہوا کرتے ہیں

کبھی خاموش سے منظر بھی بتولؔ
ایک ہنگامہ بپا کرتے ہیں

جب بھی بارش نے آ کے دستک دی

جب بھی بارش نے آکے دستک دی
بند تھے جو کواڑ کُھلنے لگے
ساری دھرتی دھنک دھنک سی لگی
جب بھی بارش نے آکے دستک دی
کچے آنگن کے سب مکینوں کے
خوف اندیشے پھر سے جاگ اُٹھے
ڈھے نہ جائے یہ چھت گھروندے کی
بہہ نہ جائے کہیں کمائی سب
ساتھ لائی ہے ایک وحشت بھی
جب بھی بارش نے آکے دستک دی

پھر سے کہو نا ......

دھڑکن دل کی تیز ہوئی ہے
پلکیں دیکھو جھک سی گئی ہیں
ہونٹ گلابی لرز رہے ہیں
رنگت تپ کر سُرخ ہوئی ہے
یہ کیا تم نے مجھ سے کہا ہے
تم میری ہو —— صرف مری ہو
دل کہتا ہے تم سے کہوں میں
میری سماعت میں رس گھولو
پھر سے تم اظہار کرو نا!
تم ہو میری —— صرف مری ہو
پھر سے کہو نا!

○

ہماری خود سے شاید دُشمنی ہے
ہماری آپ کی کیوں دوستی ہے

اندھیروں سے کہو رستہ نہ روکیں
کہ ان کے پار ہر سو روشنی ہے

خزاؤں سے ہی ہم نے اب بنا لی
بہاروں کی چُبھن جب سے سہی ہے

پرندے سہمے سہمے لگ رہے ہیں
فضاؤں میں عجب سی خامشی ہے

تجھے پانے کی خواہش ہے پُرانی
بتانے کی مگر ہمت، نئی ہے

زمانے بھر کی تم سے گفتگو کی
جو کرنی تھی ابھی وہ اَن کہی ہے

بارُود

بھولے بھالے بچوں کے ہاتھوں سے ہم نے
چھین لئے سب کھیل کھلونے
دے کر اب بارُود کا تحفہ
حیرت ہے کہ اس کے عوض ہم
پھُولوں کلیوں کے خواہاں ہیں



نام، بے نام بھی ہو جاتے ہیں
کام، ناکام بھی ہو جاتے ہیں

اپنی آنکھوں کو بچائے رکھنا
خواب الزام بھی ہو جاتے ہیں

کچھ گِلے ہوتے ہیں شب ڈھلنے پر
کچھ سرِشام بھی ہو جاتے ہیں

کبھی آغاز قیامت کی طرح
کبھی انجام بھی ہو جاتے ہیں

خاص ہوتے ہیں یہ رشتے دل کے
اور کبھی عام بھی ہو جاتے ہیں



ساتھ اک اُس کا اگر ہو جاتا
تو مقدّر سے مفر ہو جاتا

پھُول وہ ہوتا، میں خُوشبو ہوتی
نہیں ممکن ہے، مگر ہو جاتا

پھر کسی شے کی طلب کیوں ہوتی
گر وہ اک خواب امر ہو جاتا

ڈھونڈنے کوئی جو آتا اک بار
راستہ خود مرا در ہو جاتا

سوچتے اور کسی بارے میں
کم زمانے کا جو ڈر ہو جاتا

مانگ کے دیکھو

خواہش کا جو پیڑ ہے، اس کی سب شاخوں پر،
پُھول ثمر کم کم مِلتے ہیں
پھر بھی اک دن،
خالی دامن کو پھیلا کر
سوہنے رب سے مانگ کے دیکھو
ممکن ہے اس بار تمہیں وہ
بھیک میں سب کچھ دے ہی ڈالے
مانگ کے دیکھو —— !

سپیرا

وہ آیا اور جادو لایا
آشاؤں کا دیپ جلایا

ساگر جیسے، نین تھے ایسے
کالی کالی رینّ ہو جیسے

بھول بُھلّیاں باتیں اُس کی
باتیں تھیں سوغاتیں اُس کی

سانپوں کا وہ ناچ دِکھائے
پل میں جل میں آگ لگائے

اُس نے ایسی بین بجائی
بستی میں اِک دھوم مچائی

بین کی اِک دن ہو بیٹھی میں
سُدھ بدھ اپنی کھو بیٹھی میں

امرت کہہ کر زہر پلایا!
کالے ناگوں سے ڈسوایا

پھر اس نے وہ گاؤں چھوڑا
پل میں ہر اِک ناتا توڑا

اب ڈس کر جی بہلاتی ہوں
میں اِک ناگن کہلاتی ہوں

جب سے واقف میں ہوئی ہوں کسی ہرجائی سے
تب سے محروم ہیں لب، قوتِ گویائی سے

وہ محبت سے بچا لیتے ہیں دامن اکثر
خوف کھاتے ہیں جو اس راہ کی رُسوائی سے

پی لیا زہر، اصولوں کو نیا خُون دیا
کس قدر عشق تھا سُقراط کو سچائی سے

جب سے رنگین ہوئیں اُنگلیاں اپنی، تب سے
ڈر سا لگتا ہے گلابوں کی پذیرائی سے

کوئی پوچھے کہ ہے کیا تم سے تعلق میرا
اس کو بتلا دو، جو آنکھوں کا ہے بینائی سے

اے بتولؔ اپنے تقدّس کی تھیں کلیاں بھی گواہ
سارے الزام ملے اس کی شناسائی سے

مُلاقات

ہوئے رخسار بھی لبوں جیسے
اے مرے ہم سفر! قریب ہو تم،
دھڑکنوں میں ہے شور سا برپا
اور پلکیں اُٹھانا مُشکل ہے،
تھرتھراتے ہوئے یہ ہونٹ مرے
حالِ دل کس طرح بیان کریں
کچھ بھی تم سے یہ کہہ نہ پائیں گے
میرے ہاتھوں کی نرم نرم زمیں
نم ہوئی ہے میرے پسینے سے،

تم نے پوچھا بھی ہے شرارت سے
"کس لئے آج ہے فضا خاموش؟"
کس طرح میں بھلا تمہیں کہہ دوں
اس مُلاقات کو اَمَر کر دو

لمحے رُوٹھ بھی جاتے ہیں

بوجھل بوجھل، سُندر سُندر گہری گہری آنکھوں میں
رات کی چنچل سکھیوں میں
اپنی ریشمی پلکوں سے
کوئی خواب کبھی مت بُننا،
سپنے ٹُوٹ بھی جاتے ہیں
جیون ایک سفر ہے ایسا، جس کی منزل تنہائی ہے
جو بھی آس لگائے اس سے، پگلا ہے سودائی ہے
کسی کو بھی اپنا مت کہنا
ساتھی چھوٹ بھی جاتے ہیں
مُٹھی میں جو لمحے ہیں

سارے تتلیوں جیسے ہیں
رنگوں کی صورت میں آخر ہاتھوں پر رہ جائیں گے
جانے والے ہر اک پل کو پلکوں بیچ چھُپا لو تم،
ورنہ ایسا بھی ہوتا ہے
لمحے رُوٹھ بھی جاتے ہیں!



اب کے پھُولوں نے کڑی خود کو سزا دی ہوگی
راہ گُلشن کی خزاؤں کو دِکھا دی ہو گی

جب وہ آیا تو کوئی در، کوئی کھڑکی نہ کھُلی
اُس نے آنے میں بہت دیر لگا دی ہوگی

جا! تری پلکوں پہ برسات کا موسم ٹھہرے
بادلوں نے مری آنکھوں کو دُعا دی ہو گی

رات جو چاند کو چُپکے سے بتائی میں نے
بات وہ سب کو ہواؤں نے بتا دی ہو گی

رنگ جو آنکھوں میں جھلکا ہے، اسی کا ہو گا
گُلِ لالہ نے جگر کو جو قبا دی ہو گی

دوش اپنا بھی ہے کچھ بات بگڑ جانے میں
اور لوگوں نے بھی کچھ اس کو ہوا دی ہو گی

شوخ انداز، چلن مست صبا کو دے کر
ہم نے کلیوں کو سمٹنے کی ادا دی ہو گی

وہ بتولؔ آئے گا ملنے کو، ملی جب سے خبر
کہکشاں زخموں کی رستے میں سجا دی ہو گی

شدّتِ غم سے جو تھک ہار کے سویا ہو گا
خود کو خوابوں کے سمندر میں ڈبویا ہو گا

لوگ چشمہ جسے کہتے ہیں ذرا غور کریں
کوئی کُہسار کسی یاد میں رویا ہو گا

ہیں سبھی لوگ نمایاں تری محفل میں مگر
ہونٹ پتھر ہوئے جس کے، وہی گویا ہو گا

وہ جو اک خواب تھا کُل اُس کی متاعِ ہستی
جاگ کر اُس نے وہ اِک خواب بھی کھویا ہو گا

تم میرے کچھ بھی نہیں

آج یہ تم نے لکھ کے دیا ہے اک کاغذ پر
"جان! تمہارا ماضی میں ہوں، حال اور آنے والا کل بھی"
لیکن تم نے یہ بھی سوچا؟
ماضی ہے اک شاخ سے ٹُوٹے پھُول کی صُورت
حال ہے اک بے حال پرندہ
آنے والے کل کو سوچو کس نے دیکھا
میں نے کاغذ پر اک جملہ لکھ چھوڑا ہے
تم میرے کچھ بھی تو نہیں ہو

بچھڑ کے دیکھیں

محبتوں کا شعور پا کر
وصال کا بھی سرور پا کر
کمی ہے باقی —
سکون دل کو نہیں ہے حاصل
بھنور کے جیسا لگے ہے ساحل
سمندروں میں اُتر کے دیکھیں
بہت ملے ہیں بچھڑ کے دیکھیں
ذرا یہ سوچو کہ ہیر رانجھا
نہیں ملے گر — تو کیا ہوا پھر
تمام دُنیا وہی رہی ہے
بھلا ذرا سی کوئی کمی ہے؟

سماج سے سب مٹا کے جھگڑے
ہم ایک دُوجے سے لڑ کے دیکھیں
بہت ملے ہیں بچھڑ کے دیکھیں
یہ ابتدا میں لگے گا مُشکل
بہت سی راتیں نہ سو سکیں گے
کبھی تو ہاتھوں کو ہم ملیں گے
کبھی ان آنکھوں کو نم کریں گے
ہر اک نصیحت بُری لگے گی
جہاں سے کم دوستی رہے گی
مگر پھر آخر ——
بہت دنوں بعد ایسا ہو گا
زمانے کے سنگ چل پڑیں گے '
ابھی سے آؤ یہ کر کے دیکھیں
بہت ملے ہیں بچھڑ کے دیکھیں!

انمول گھڑی

ایک نازک سی گھڑی
تھی جو انمول بڑی
مجھے تحفے میں ملی
دینے والے نے یہ سوچا ہو گا
یہ گھڑی
میری نازک سی کلائی کو سدا '
اپنے گھیرے میں لئے رکھے گی
تا کہ احساس رہے
میرا ہر پل
ہے امانت اُس کی

○

اس لیے ہم فریب کھا بیٹھے
آزمودہ کو آزمایا تھا !

سچ پوچھو تو؟

بے خوابی کے عادی ہم بھی
جب سے ہوئے ہیں
خواب سہانے بکھر گئے ہیں
گڑیاں اور پٹولے جب سے
چھوٹے تب سے
میت پرانے بچھڑ گئے ہیں
سچ پوچھو تو —
دل تو اپنا اب بھی چاہے
ماضی اپنا پلٹ کے آئے
رات کو سارے بچے پھر سے

آنکھ مچولی کھیلیں مل کے
لیکن یہ سب کب ممکن ہے
عمر کے پُل کے نیچے سے تو
خاصا پانی گذر چکا ہے!
چڑھتا دریا اُتر چکا ہے!

○

کس کو پیارا نہیں جیون لیکن
آپ کہتے ہیں تو مر جاتے ہیں

رنگِ حنا

حنا لگا کر ہتھیلیوں پر جو میں نے دیکھا
تو میں نے پایا عجیب منظر
کہ رنگ ان پر کوئی نہیں ہے
دھڑک دھڑک کر کہا یہ دل نے
کہ جس کی خاطر یہ ہاتھ سجتے، وہی نہیں ہے
کہا سکھی نے،
تو چُوڑیوں سے سنگھار کر لے
وہ چوڑیاں جو تمہاری جانب سے
عید کے روز میں نے پائیں
مگر اچانک ہوا چھناکا

وہ چوڑیاں اب کہیں نہیں تھیں
اُٹھانا چاہا جو کرچیوں کو
تو اُنگلیوں سے وہ رنگ نکلا
کہ پھر حنا کی کوئی بھی حاجت رہی نہ باقی
تمہارے تحفے نے ہاتھ میرے کیے گُلابی



صداقتوں نے معیار پہلے ہی کھو دیا ہے
محبّتوں نے قرار پہلے ہی کھو دیا ہے

خزاں کا کوئی بھی اب کے خدشہ نہیں ہے باقی
کہ ہم نے رشکِ بہار پہلے ہی کھو دیا ہے

کوئی صدا کس طرح تعاقب میں اب کے آتی
وہ در، دریچہ، دیار پہلے ہی کھو دیا ہے

بھلا لُٹانے کو پاس اپنے بچا ہی کیا ہے
کہ دل گنوا کے وقار پہلے ہی کھو دیا ہے

کوئی بھی وعدہ کرو کسی سے تو سوچ لینا
وہ گھر ستاروں کے پار پہلے ہی کھو دیا ہے



جو ٹھوکر پہ ٹھوکر کھائیں
کیوں نہ وہ پتھر بن جائیں

گہری شب آنکھوں میں اُتری
من کی ہم قندیل جلائیں

چاند کی چاروں جانب تارے
دُور سے دیکھیں اور مُسکائیں

اُن کو دُور نہ جانے دیں گے
وہ نزدیک اگر آ جائیں

آج کسی نے کیا پوچھا ہے
سوچ رہے ہیں کیا بتلائیں

ان کے دل میں ہم ہی ہم ہیں
نظروں سے وہ لاکھ گرائیں

رُوٹھ گیا جب گُل کا موسم
کیسے سانسوں کو مہکائیں



اپنی آنکھوں کو بچائے رکھنا
خواب الزام بھی ہو جاتے ہیں

کاش

کاش ایسا ہو کہ چاند
اب جو آکاش پہ آئے تو کبھی بھی نہ بُجھے
میری آنکھوں کے جھروکوں میں کہیں چُھپ جائے
بس مرا ہو جائے!
کاش ایسا ہو صبا
اب جو آئے تو وہ سندیسہ مرے نام کا لیتی آئے!
کاش ایسا ہو کہ برسات
اب جو آئے تو مرے صحن میں جل تھل کر دے،
مرا آنچل بھر دے، مجھے بے خود کر دے!
کاش ایسا ہو کہ اظہارِ وفا

تو کبھی مجھ سے کرے،
میری آنکھوں کی چمک کو، مرا اِقرار کہے
دُور جائے نہ کہیں، میری آنکھوں میں رہے!
ہے خبر مجھ کو کہ اس طرح نہیں ہوتا کبھی،
ایسا ہو گا بھی نہیں
پھر بھی یہ سوچتی ہوں
کاش ایسا ہو، کاش ایسا ہو!

سراب

نیل گگن کی گہرائی میں
رات کی قاتل تنہائی میں
ڈھونڈا تجھ کو اور پکارا
برس برس برکھا بھی ہاری
کوئی خط، کوئی سندیسہ
تیری جانب سے نہ آیا
جانے تو کس دیس گیا ہے؟
ٹوٹ چکیں تسبیح کی صورت
سانسیں میری،
رات ہے اِن انکھیوں میں گہری

سوچ لے جاناں!
دیپ اگر یہ بجھ جائیں تو
کون ترا رستہ دیکھے گا؟
ہر سو کون تجھے ڈھونڈے گا؟
ایک سراب نہ بننے دینا
جیون خواب نہ بننے دینا

انتقام لیتے ہیں

تتلیوں سے لے کر رنگ
جگنوؤں سے لشکارے
خوشبوئیں گُلابوں سے
اور خواب آنکھوں سے
آؤ کوئی تازہ نام
کوئی اک نیا پیغام
اپنے دل کی دھرتی پر
پھر سے آج لکھتے ہیں
اور وہ کسی کا نام
ایک اجنبی کا نام

جو کبھی لکھا پہلے
وہ مٹائے دیتے ہیں
آؤ اِس طرح اُس سے
انتقام لیتے ہیں



شوخ آنکھیں تری گہر آنکھیں
شام آنکھیں تری، سحر آنکھیں

یہ زمیں آسماں تو فانی ہیں
ہیں مرے واسطے اَمر آنکھیں

اک زمانے پہ ہے نظر ان کی
ہیں مگر مجھ سے بے خبر آنکھیں

کس کو ہر پل تلاش کرتی ہیں
قریہ قریہ، نگر نگر، آنکھیں



من کا دیپک چُپکے چُپکے جلتا ہے
اندر اندر کچھ کچھ روز پگھلتا ہے

یہ سوچا ہے جاں کا سودا کر ڈالیں
دیکھو، قُرعہ کس کے نام نکلتا ہے

اب آنکھوں کے بند دریچے کھول بھی دو
کالا بادل ان باتوں سے ٹلتا ہے

ممکن ہو تو پوچھو اس نے کیا کھویا
جو اپنے ہاتھوں کو ہر دم ملتا ہے

مانا کہ ہو میرے سائے جیسے تم
سوچو سایہ ساتھ کہاں تک چلتا ہے

پیلی رُت نے باہر پیلا کر ڈالا
اندر کا موسم بھی رنگ بدلتا ہے

اہلِ مغرب روز بُجھاتے ہیں لیکن
سُورج مشرق سے ہر روز نکلتا ہے



جس گھڑی تھاما ہے دستِ مرگ کو
زندگی پھر آزمانے آ گئی

دل لگانا، دل کو لے ڈُوبا مگر
دل لگی بھی اس بہانے آ گئی

جب بھی مانگی ہے بہاروں کی دُعا
تو خزاں پتے گرانے آ گئی

○

بہانہ جو کوئی تجھ سا نہیں ہے
بدلنا بات کو اچھا نہیں ہے

تری بے مہریوں کو عام کرتے
مگر شیوہ یہی، اپنا نہیں ہے

پسِ دیوار و در ہم ہی نہیں ہیں
محبت پر کہاں پہرا نہیں ہے

ضرورت ہے بہت محدود میری
جو تُو نزدیک ہو تو کیا نہیں ہے

فلک کے چاند کی مت بات چھیڑو
یہ دل کا داغ ہے، اچھا نہیں ہے

ہمارے دیس کی حالت نہ پوچھو
وہ ماں، جس کا کوئی بیٹا نہیں ہے

بتولؔ اس دور کا انسان دیکھو
قد آور ہے مگر چہرا نہیں ہے

ہجر

ممکن ہو تو ——
کالی شب کے طشت میں دیکھو
کتنے سُندر تارے ہیں
لیکن ہیں بے خواب ازل سے
شاید ہجر کے مارے ہیں!

○

کرچیاں ہیں، کہ میرا چہرا ہے
آئینہ کون توڑ لایا ہے!

نہیں اتنا آساں کسی کو بھُلانا

سحر میں نظر آئے گا میرا چہرا
تو زُلفیں مری رات جیسی لگیں گی
ستاروں پہ ہو گا گماں جیسے ان میں
چمکتی ہوئی میری آنکھیں جڑی ہیں
مری مسکراہٹ گلابوں میں ہوگی
مری یاد ہرپل ستائے گی تجھ کو
تو پھر بھُول جائے گا تو مسکرانا
نہیں اتنا آساں کسی کو بھلانا!
جو آفس میں فائل کو کھولے گا جا کر
تو ہر لفظ میں نام میرا ملے گا'

بجے گی جو گھنٹی کبھی فون کی تو
تجھے یہ توقع —— اُدھر سے میں بولوں
پر ایسا نہ ہو گا'
جو پوچھے گا کوئی' یہ کیسی تڑپ ہے؟
بنا پاؤ گے کوئی کیسے بہانہ'
نہیں اتنا آساں کسی کو بھلانا!
تجھے اپنے آفس کے چاروں طرف بس
نظر آؤں گی میں
تو چھُٹی سے پہلے ہی بے چین ہو کر
جو گھر جائے گا تو'
وہاں پر بھی ہو گی نہ کم بے قراری
بتدریج اس میں اضافہ ہی ہو گا'
ارادہ کرے جو کوئی شعر لکھے
قلم دیکھتے ہی تجھے ایک دم پھر

کوئی واقعہ یاد آنے لگے گا'
قلم کو اٹھا کر' مرا ایک دن وہ
ترے ہاتھ کی پشت پر بس اچانک
کوئی آڑھی ترچھی لکیریں بنانا
قلم سے کوئی لفظ لکھنا' مٹانا
ترے ڈانٹنے پر' مرا روٹھ جانا
وہ تیرا منانا'
وہ معصوم سی اک شرارت پہ اکثر
ترا مسکرانا'
مری شوخ باتیں' وہ ہنسنا ہنسانا
نہیں اتنا آساں کسی کو بھلانا!

دو شعر

جُدائی' رتجگا' کربِ مسلسل
چلو تم نے مجھے کچھ تو دیا ہے

مِرے چاروں طرف اندھیر نگری
مِرے ہاتھوں میں مٹی کا دیا ہے

چاند کی جوگن

تاروں کے جھرمٹ میں جیسے چندا ہے مُسکائے
ایسے ہی وہ نٹ کھٹ لڑکی پھُولوں کو شرمائے

آنکھیں اُس کی مدھ کے پیالے، ہرنی جیسی چال
ایک نظر جو اُس کو دیکھے اپنے ہوش گنوائے

اپنے کالے نینوں سے وہ جس پر تیر چلائے
اپنے گھائل من کو وہ بس تھام کے ہی رہ جائے

ایک زمانہ اُس کا روگی لیکن وہ دیوانی
چندا ہی کو پُوجے بس اس پر ہی جان لٹائے

ہر اک نے اُس کو سمجھایا چاند تو ہے ہر جائی
اس کی آس لگانے والا بن بن دھکے کھائے

نگری نگری گھُومی لیکن کچھ بھی ہاتھ نہ آیا!
اِک پیتم کی خاطر اُس نے کتنے روگ لگائے

دیوانی یہ کیسے جانے، چندا ہر اک جا ہے
اُس کے آنگن، غیر کی نگری چندا ہرجا جائے

چاند تو آج بھی دُور ہے اُس سے، اُس کی پہنچ سے دُور
آج بھی اُس کی چاروں جانب کالے کالے سائے

○

سہل کب ہوتے ہیں، دشوار ہوا کرتے ہیں
راستے پیار کے پُرخار ہوا کرتے ہیں

رات کے خواب حسیں ہوتے ہیں انکار نہیں
آنکھ کھُل جانے پہ بیکار ہوا کرتے ہیں

تری دہلیز کا پتھر ہوئیں آنکھیں میری
ہاں جنوں کے یہی آثار ہوا کرتے ہیں

آج قدموں میں زمانہ ہے مرے پاس ہے تُو
ایسے لمحے تو سرِ دار ہوا کرتے ہیں

کیا خبر ان کو مصوّر پہ جو بیتی ہے بتولؔ
اس نمائش کے جو شہکار ہوا کرتے ہیں

○

دُھوپ اور چھاؤں کے نظارے تھے
دل کی دولت جہاں پہ ہارے تھے

بے وفائی کا اب گلہ کیسا
آپ پہلے بھی کب ہمارے تھے

میری آنکھوں میں پھیلتے ہوئے رنگ
کل تلک آپ کو بھی پیارے تھے

ہے گھروندہ مِرا تو مٹی کا
تری راہوں میں چاند تارے تھے

چھُو لیا تھا گلوں کو چاہت سے
جل گئے ہاتھ، وہ شرارے تھے

وہ ایک معصُوم سی کلی تھی

وہ ایک معصُوم سی کلی تھی
ہزار رنگوں میں، خوشبوؤں میں بسی ہوئی سی
کوئی بھی بھنورہ نہ رنگ اُس کے چرُا سکا تھا
نہ اُس کی خوشبو کو پا سکا تھا
بدلتے موسم غرور اُس کا نہ کر سکے کم
نہ اُس کو خود میں وہ کر سکے ضم
مگر اچانک ہوا کچھ ایسے
صبا کا اک شوخ جھونکا آیا
اور اُس کے خوش رنگ ہونٹ چوُمے، گلے لگایا
پھر اُس کے کانوں میں ہولے ہولے سے گیت چاہت کا گنگنایا

بدلتے موسم کے ساتھ لیکن بدل گیا وہ
نئی ڈگر کو نکل گیا وہ
وہ ایک معصُوم سی کلی اب ——
کسی کے وعدوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں جل گئی تھی
اور اک کہانی میں ڈھل گئی تھی

○

آج قدموں میں زمانہ ہے مرے پاس ہے تُو
ایسے لمحے تو سرِ دار ہوا کرتے ہیں

سُنو زمانے سے وہ ملے دُکھ

مٹا کے جیون کسی کا کیسے جیو گے تم بھی،
بتا سکو گے؟
اُداس کر کے زمانے بھر کو، بتاؤ کیا مُسکرا سکو گے؟
سُنو ستارے بھی پوچھتے ہیں
کہاں گیا وہ —— ؟
جو سارے وعدے محبتوں کے بُھلا گیا ہے
تمہاری آنکھوں کے خواب سارے، تمہاری نیندیں چُرا گیا ہے
کہاں گیا وہ —— ؟
اور اب تو ساون بھی پوچھتا ہے
جو بارشوں میں ہر ایک پتے پہ نام تیرا لکھا کرے تھا

جو اپنی آنکھوں میں، اپنی پلکوں سے خواب تیرے بُنا کرے تھا
کہاں گیا وہ —— ؟
مِرے چمن سے تو اب بہاروں نے بھی بغاوت کی ٹھان لی ہے
ہواؤں نے فیصلہ کیا ہے
کہ میرے آنگن میں خوشبوؤں کا، کوئی بھی جھونکا نہ آنے پائے
نہ پھُول کوئی بھی اس چمن میں کھِلے کھلائے
میرے تعاقب میں ہیں اندھیرے
کوئی کرن اب کسی بھی جانب سے میرے گھر میں نہ آ سکے گی
نہ میرے جیون کی تیرگی کو مٹا سکے گی
سُنو زمانے کا فیصلہ ہے، مجھے مٹائے!
سُنو زمانے سے وہ ملے دُکھ، جو تم نے چاہے

کانچ کی چُوڑی

جب اُس کو دیکھا تو میں نے جانا
وجود شیشے کا لے کے آیا ہے وہ زمیں پر
نہ جانے کیسے، نہ جانے کیونکر
گِرا تو لاکھوں ہی کرچیوں میں
وہ آج تقسیم ہو گیا تھا،
مجھے لگا یُوں
کہ رُوح میں وہ اُتر گیا ہے
وہ گھر مرے دل میں کر گیا ہے
میں اُس کی جانب بڑھی اور اُس کے
وجود کی ایک ایک کرچی کو چُننے بیٹھی

جب اپنے ہونٹوں سے، اپنی پلکوں سے، اپنی پوروں سے
چُن لیا تو
وہ گِر پڑا پھر —— بکھر گیا پھر
یہاں سے لے کر وہاں تلک ہر طرف زمیں پر
تھا کِرچیوں میں بٹا ہوا وہ
تو میں نے بڑھ کر خلوصِ دل سے
چُنا پھر اُس کو، پھر اُس کو جوڑا
لہو تھیں پوریں، دھواں تھیں آنکھیں، تھے ہونٹ زخمی
مگر یقیں تھا،
کبھی تو آئے گا وہ بھی لمحہ
ریاضتوں کا، محبتوں کا صلہ ملے گا
وہ میرے زخموں کو چُوم لے گا
میں اُس کو چُن چُن کے تھک گئی تھی

تھی بے کلی سی، تھی تشنگی سی
یہ وسوسہ بھی ڈرا رہا تھا
کہیں وہ پھر سے نہ ٹوٹ جائے
کہا یہ دل نے کچھ ایسا کر دو
وہ دُور اک پل رہے نہ تجھ سے
تو میں نے اُس کو اک ایسی چوڑی کی شکل بخشی
جو میری اپنی کلائی میں ہی سجی رہے گی
تو پھر ہوا یوں
وہ بن کے چُوڑی مری کلائی کو چُومتا ہے
مگر یہ دھڑکا لگا ہوا ہے ——
کہیں یہ چُوڑی نہ ٹُوٹ جائے ——
یہ اِس کی چھن چھن نہ رُوٹھ جائے!

تم کیا جانو ...

اکثر لفظ بہت زہریلے
ناگوں جیسے بن جاتے ہیں
اور آنکھوں میں کرچی کرچی
خوابوں جیسے بن جاتے ہیں
کہنے والا بھول بھی جائے
سُننے والے کے کانوں میں
انگارے سے بھر جاتے ہیں
تم کیا جانو....



وہ جو انجام سے ڈر جاتے ہیں
عشق پھر کس طرح کر جاتے ہیں

ہے مقدّس یہ بہت شہرِ وفا
یہاں پاؤں نہیں، سر جاتے ہیں

میں نے پوچھا ہے گہر سے آخر
سیپ میں کیسے اُتر جاتے ہیں

کس کو پیارا نہیں جیون لیکن
آپ کہتے ہیں تو مر جاتے ہیں

روز وہ عہدِ وفا کرتے ہیں
روز وعدے سے مُکر جاتے ہیں

رات ڈھلتی ہے تو ماہ و انجم
کسی انجان نگر جاتے ہیں

کوئی منصور سے پوچھے تو سہی
کیسے سُولی پہ ٹھہر جاتے ہیں

سُوئے منزل نہیں جاتی یہ بتولؔ
آؤ اب راہِ دِگر جاتے ہیں

نظر جہاں سے بچا کے دیکھو
جو فاصلے ہیں مٹا کے دیکھو

یہ زندگی مُسکرا اُٹھے گی
کسی کو اپنا بنا کے دیکھو

تمہاری چاہت میں مٹ چلے ہم
کبھی تو پلکیں اُٹھا کے دیکھو

بنا دے شاعر جو آدمی کو
وہ چوٹ تم بھی تو کھا کے دیکھو

کوئی بھی اپنا نہیں جہاں میں
کسی کو بھی آزما کے دیکھو

جہاں ہو جُھکنے سے سر بلندی
وہاں پہ سر کو جُھکا کے دیکھو

بتوؔل نکلے گا نام اس کا
جو تار دل کے ہلا کے دیکھو

کیا تلاش کرتے ہو؟

Amazing
Amazing

ہاتھ کی لکیروں میں
کیا تلاش کرتے ہو؟
ان فضُول باتوں میں
کس لئے اُلجھتے ہو؟
جس کو ملنا ہوتا ہے
بن لکیر دیکھے ہی
زندگی کے رستوں پر
ساتھ ساتھ چلتا ہے
پھر کہاں بچھڑتا ہے
جو نہیں مقدّر میں

کب ہمیں وہ ملتا ہے

کب وہ ساتھ چلتا ہے

ہاتھ کی لکیروں میں

کیا تلاش کرتے ہو؟

اجنبی آنکھیں

وہ جس کا نام تھا سانسوں میں

اور ہونٹوں پر ——————

وہ پور پور میں کچھ اس طرح اُترتا گیا

ہر ایک گوشۂ دل خود بخود مہکتا گیا

حنا سے نام ہتھیلی پہ بھی لکھا اُس کا

وہ ایک شخص مجھے آج اس طرح سے ملا

کہ اُس کے چہرے پہ دیکھی ہیں اجنبی آنکھیں!

آگہی

آنکھوں کی تحریر کو پڑھنا
جس دن میں نے سیکھ لیا
بس اس دن سے
ہر اک اپنا
بیگانہ سا لگتا ہے
جانا پہچانا ہر چہرا
انجانا سا لگتا ہے

①

جنوں کے راستے خاصے کڑے ہیں
شکستِ جاں کے اس میں سلسلے ہیں

نہ جانے کب یہ طوفاں روند ڈالے
کہ جس کو راستے میں ہم ملے ہیں

جو تم چاہو سمٹ سکتے ہیں اب بھی
ہمارے بیچ کے جو فاصلے ہیں

کوئی اشجار سے بھی جا کے پوچھے
وہ ہر رُت سے بھلا کیونکر لڑے ہیں

چمن سارا خزاں نے پھونک ڈالا
یہ زخمِ دل مگر اب بھی ہرے ہیں

مداوا دشت کیسے کر سکے گا
نہیں پاؤں کے، دل کے آبلے ہیں

زمانے سے چلو اب کچھ بنا لیں
یہ مانا اَن گنت اس سے گِلے ہیں

انہیں اپنا بنائیں کس طرح جو
حصارِ یاد سے بھی کچھ پرے ہیں

بتولؔ آؤ کبھی تو ان سے پوچھیں
ستارے رات بھر کیوں جاگتے ہیں

○

درد سینے میں بہت شور بپا کرتا ہے
ایک سناٹا سا چہرے پہ صدا کرتا ہے

بے خبر اس سے اگر ہم ہیں تو بتلائے ذرا
پھر اسے کون اُفق پر سے تکا کرتا ہے

راہ پر شوق سہی، دھیان رہے اس پہ مگر
جو چلا آبلے پیروں کے گِنا کرتا ہے

موج چنچل سہی، خود سر ہے کنارہ لیکن
مِل کے رہتے ہیں اگر وقت جُدا کرتا ہے

حدِ فاصل رہے اس سے کہ ہے خورشید یہ عشق
خود فقط جلتا ہے، اوروں کو فنا کرتا ہے

کب بھرا کرتی ہے قسمت کوئی دامن، ہر شخص
تھال سے اس کے گہر آپ چنا کرتا ہے

اپنی مُٹھی میں چمکتا ہوا جگنو رکھ لو
کہ بھلا چاند فلک پر ہی لگا کرتا ہے

شب کے گم کردۂ منزل نے کہا تھا اک روز
کام سورج نہیں کرتا جو دیا کرتا ہے

اولیں نقشِ محبت بھی عجب شے ہے بتولؔ
آخری سانس تلک ہم سے وفا کرتا ہے

میں بھی انسان ہوں

سنگِ مرمر کا بُت تو مجھے مت سمجھو
میں بھی انسان ہوں
ظُلم کا، کوئی طُوفاں، مری سوچ کو
کب بہا پایا تھا؟
پر محبت کا اک نرم جھونکا مجھے
مات دے ہی گیا
میں بھی انسان ہوں

○

آگ جنگل کی چاہے بجھ جائے
سہمے سہمے طیور ہوتے ہیں

فریب

جب ستارے فلک پہ آتے ہیں
پھول کھِل کھِل کے مُسکراتے ہیں
ریت پر گھر کوئی بناتا ہے
ایسا لگتا ہے جیسے مرقد پر
دیپ ہولے سے ٹمٹماتا ہے
اور دو سائے جب درختوں پر
نام لکھتے ہیں ایک دُوجے کا
آسماں جُھک کے دیکھتا ہے انہیں
ان کی حالت پہ مُسکراتا ہے
ایک سایہ وہی رہے گا مگر

دُوسرا سایہ کل نہیں ہوگا'
ہاں مگر کل بھی اس جگہ یوں ہی
یہی منظر یہیں کہیں ہوگا
آسماں کل بھی جُھک کے دیکھے گا
اور یقیناً نظر چُرائے گا!

سوال؟

بتاؤ تم نے کوئی مصوّر بھی ایسا دیکھا
جو اپنے ہاتھوں سے کوئی تصویر خود بنائے
مگر وہ تصویر نامکمل رہے کہ بگڑے
تو دوش تصویر کو دیا ہو
اِسی طرح اک کمہار مٹی سے جب بناتا ہے برتنوں کو
خراب صُورت جو ظرف بن جائے یا اچانک
وہ ٹوٹ جائے
بتاؤ کس کو وہ دوش دے گا؟
عبا' قبا والے کہہ رہے ہیں

نہیں طوائف کی کوئی عزت
یہ اک گُنہ ہے، نہیں یہ عورت!
تمام لوگوں سے میرا اتنا سوال ہے بس
بنایا کس نے اسے طوائف؟



اس نے جو چاہا تھا سب کچھ کہہ گیا
جو مجھے کہنا تھا دل میں رہ گیا

اس لئے گُل کا گریباں چاک ہے
یہ کسی کا منتظر ہی رہ گیا

کون کہتا ہے رگوں میں ہے لہو
نین جھیلوں سے کبھی کا بہہ گیا

جذبۂ دل سے تھا جو نا آشنا
آج آنکھوں سے وہ کیا کچھ کہہ گیا

دل تو مٹی کا کھلونا تھا مگر
ہجر کی بارش مسلسل بہہ گیا

نہیں طوائف کی کوئی عزت
یہ اک گُنہ ہے، نہیں یہ عورت!
تمام لوگوں سے میرا اتنا سوال ہے بس
بنایا کس نے اسے طوائف؟



اس نے جو چاہا تھا سب کچھ کہہ گیا
جو مجھے کہنا تھا دل میں رہ گیا

اس لئے گُل کا گریباں چاک ہے
یہ کسی کا منتظر ہی رہ گیا

کون کہتا ہے رگوں میں ہے لہو
نین جھیلوں سے کبھی کا بہہ گیا

جذبۂ دل سے تھا جو نا آشنا
آج آنکھوں سے وہ کیا کچھ کہہ گیا

دل تو مٹی کا کھلونا تھا مگر
ہجر کی بارش مسلسل بہہ گیا

ریکھا

اپنا ہاتھ تھما کر مجھ کو
یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا
"میرے ہاتھوں کی ریکھا میں
نام تمہارا لکھا ہے"
آج تمہارے ہاتھ میں جاناں!
ہاتھ اک دوجا دیکھا میں نے
اب بھی کیا ہاتھوں میں تمہارے
نام وہ پہلا ہی لکھا ہے؟
یا ——
اب ریکھا بدل گئی ہے؟

○

ملی نجات قفس سے تو بے نگر ہو کر
سزا میں ہو گئی تخفیف دربدر ہو کر

ہوا وہ راندۂ درگاہ، کر کے ایک خطا
قصور ہم سے بھی لاکھوں ہوئے بشر ہو کر

اسی لئے نہیں مانگا اُسے خدا سے کبھی
دُعائیں ہوتی ہیں مغموم، بے ثمر ہو کر

تو یوں ہوا کہ دھواں بن کے رہ گئیں آنکھیں
ملا ہے جب سے وہ اک شخص، خواب گر ہو کر

بُجھا بُجھا اُسے پایا تو کچھ ہوئی تسکیں
کہ خوش تو وہ بھی نہیں ہم سے بے خبر ہو کر

وہ مُسکرا کے ملا جب تو مٹ گئے شکوے
کہ شام، شام کہاں رہتی ہے، سحر ہو کر

یہ کہکشاں ترے قدموں میں آ بچھے گی بتولؔ
کسی کا رہنا پڑے گا تجھے مگر، ہو کر

○

ہے مقدّس یہ بہت شہرِ وفا
یہاں پاؤں نہیں، سر جاتے ہیں

معجزہ

محبت نوُر ہے اک راگنی ہے
محبت میں عجب سی چاشنی ہے

کبھی پربت کے پربت کھود ڈالے
کبھی قدموں سے صحرا روند ڈالے

کبھی کچے گھڑے پر تیرتی ہے
کبھی رُخ بادلوں کا پھیرتی ہے

کبھی لیلیٰ کی یہ وارفتگی ہے
کبھی یہ قیس کی دیوانگی ہے

کبھی یہ خضر بن کر رہ دکھائے
کبھی خنجر تلے سجدہ کرائے

یہ کانٹوں پر بھی چلنا جانتی ہے
محبت ہنس کے مرنا جانتی ہے

جلال و جاہ کو ٹھوکر لگائے
کبھی دیوار میں چُنوائی جائے

کبھی سُولی کو حرزِ جاں بتائے
کبھی گُلزار شعلوں کو بنائے

محبت فصلِ گُل کی تازگی ہے
خودی کا راز ہے اور بے خودی ہے

محبت کا انوکھا سلسلہ ہے
کہیں یثرب کہیں پر کربلا ہے

ہر اک صُورت میں یہ زندہ رہی ہے
محبت معجزہ ہے، بندگی ہے

تقسیم

قُدرت نے اپنے ہاتھوں سے
جس دم سُکھ تقسیم کیے
سب لوگوں نے اپنا اپنا حصہ پایا،
لیکن ——
میں کچھ پا نہ سکی
میرے ہاتھ رہے خالی
لیکن جب،
قُدرت نے ——
دُکھ تقسیم کیئے
اِک بار تو دامن میرا
سب سے زیادہ بھاری تھا!



سوچتی ہوں کہ کس طرح دل میں
کوئی یکدم سما گیا ہو گا

ریت پر ہم نے جو لکھا اک روز
کوئی طوفاں مٹا گیا ہو گا



نین جھیلوں میں اُترنا سیکھو
ڈوب جاؤ تو اُبھرنا سیکھو

زندگی پھُول کی بتلاتی ہے
زندہ رہنا ہے تو مرنا سیکھو

جان ہی لوگے، زباں آنکھوں کی
پہلے تم پیار تو کرنا سیکھو

یہی پہچان ہے دھرتی اپنی
دم کبھی اس کا بھی بھرنا سیکھو

نجومی

وہ ایک جانب سڑک کی بیٹھا
بتا رہا تھا
بہت سے لوگوں کو ان کی قسمت میں کیا لکھا ہے'
میں دفعتاً" اُس کے پاس جاکر
ذرا رُکی اور اُس سے پوچھا
تمہارا اپنا نصیب کیا ہے' یہ جانتے ہو؟
وہ چونک اُٹھا
مگر پھر اک دم سنبھل کے بولا
"مِری ہتھیلی میں جھوٹ کی یہ لکیر دیکھو
بہت نمایاں کھُدی ہوئی ہے"

کسی کو اپنا بنا کے دیکھو

اگر بہاروں نے مجھ سے پوچھا
چمکتے تاروں نے مجھ سے پوچھا
بتاؤ حسنِ جہاں کہاں ہے؟
تو برملا میں کہوں گی ان سے
تمہیں وہ میری نظر سے دیکھیں
تمہارے جیسا کوئی نہیں ہے
جو دشت میں ہے گھٹا کی صورت
چمن کی صورت' صبا کی صورت
ہے کتنا معصوم' کتنا سادہ
تمہارا وعدہ ———
مگر بتاؤ گے تم یہ جاناں؟

ہو کھوئے کھوئے سے کس لئے تم؟
سکُون کس نے تمہارا لُوٹا؟
یقین کیسے تمہارا ٹُوٹا؟
چلو ہوا جو بھلا بھی ڈالو
وہ خط پُرانے جلا بھی ڈالو
میں مانتی ہوں!
تمہارے دل کا جو شہر اُجڑا
اسے بسانے میں دن لگیں گے'
کہ کہکشاں کے مسافروں کو
زمیں پہ آنے میں دن لگیں گے'
چراغ یادوں کے جل رہے ہیں
انہیں بُجھانے میں دن لگیں گے'
جو ہو سکے تو کسی کی خاطر
نیا جہاں تم بسا کے دیکھو
کسی کو اپنا بنا کے دیکھو



دل سمندر ہے تو پھر اس میں اُترنا کیسا
بخوشی ڈُوب گئے جب تو اُبھرنا کیسا

اچھے لوگوں کی دُعاؤں میں اثر آج بھی ہے
ورنہ اَن دیکھے مصائب کا ہے ٹلنا کیسا

پیار خُورشید نہیں ہے تو یہ جلتا کیوں ہے
نہیں سیماب اگر یہ تو مچلنا کیسا

گر یہ خُوشبو ہے تو پابندِ رسن کیسے ہے
ہے جو طوفان تو پھر اس کا سمٹنا کیسا

دو شعر

روز یوں خود کو آزماتے ہیں
چوٹ کھا کر جو مسکراتے ہیں

آپ کے دل کی ہے خبر ہم کو
آپ یونہی ہمیں بناتے ہیں

محبت مر بھی سکتی ہے

بہم رہ کر،
اگر بڑھ جائیں، دل کے فاصلے یکدم،
بچھڑ جانے کا پھر تو فیصلہ یہ کر بھی سکتی ہے
محبت مر بھی سکتی ہے

○

میری آنکھوں پہ تری آنکھوں کا
جاگتے سوتے میں پہرہ ہو گا

بہلاوہ

جُدائیوں کا مجھے حوصلہ نہ تھا لیکن
بچھڑ چُکے ہیں تو اب ہو رہا ہے یہ احساس
غمِ فراق بھی ملتا ہے خوش نصیبی سے
ادھورا خواب ہے یہ وصل اور کچھ بھی نہیں
بہت سی باتیں رہیں اَن کہی تمہیں مل کر
میں سوچتی تھی کہ اب کے جو تم ملو گے مجھے
ہر ایک بات میں دل کی تمہیں بتاؤں گی
میں دھڑکنوں کی شکایت تمہیں سناؤں گی
مگر تم آتے تو ہونٹوں پہ مہر لگ جاتی
تمہارے آنے سے گویائی بھی سمٹ جاتی

اور اب ——

اور اب زمانہ فُرقت ہے اور فرُصت ہے
نہ ڈر ہے کھونے کا، پانے کی نہ ہی حسرت ہے
ہزار باتیں خیالوں میں تم سے کرتی ہوں
میں پتیوں پہ گلُابوں کی، راز لکھتی ہوں

واپسی

تم آئے جب من مندر میں
دیکھا تم کو —— چاہا تم کو
لیکن میں نے یہ کب سوچا
جو رستہ آتا ہے مجھ تک
وہ ہی رستہ ——
واپس بھی تو جاتا ہے

میں بارشوں میں جو یاد آؤں

میں بارشوں میں جو یاد آؤں
تو سوچ لینا
کہ اس کی بُوندوں میں میرے اشکوں نے گھر کیا ہے
سفر کیا ہے —— اثر کیا ہے
میں بارشوں میں جو یاد آؤں
تو سوچ لینا
کہ بھیگے موسم نے میرا آنچل بھگو دیا ہے
تھا دردِ ہجراں بڑا ہی قاتل
وہ میرے دل میں سمو دیا ہے
تمہارے وعدوں کا تھا محل جو،

تھی اس کی بُنیاد پانیوں پر
یہی سبب ہے کہ تیز لہروں نے اس کو آخر،
ڈُبو دیا ہے
میں بارشوں میں جو یاد آؤں،
تو سوچ لینا

تو یوں ہوا پھر......

گُذر گئے وہ وصال لمحے
ملے تھے جو خال خال لمحے
قضا سے لڑ کر بھی دیکھ ڈالا
دُعائیں مانگیں، مزار چھانے
رہا نہ باقی کوئی مداوا
مگر ہماری سب التجائیں
ہماری آہوں بھری دعائیں
وہ سب صدائیں —
ہمارے رب تک پہنچ نہ پائیں
تو یوں ہوا پھر —

وہ مرگ و ہستی کی کشمکش میں
رہا کئی دن
اور آخرش وہ بھی تھک گیا تھا
ہزار دل میں چھُپائے چھالوں کو
آرزوؤں کو، چل دیا وہ
گیا وہ ایسا کہ پھر نہ آیا
بچھڑ کے اشکوں کو پی رہے ہیں
سزا ملی ہے کہ جی رہے ہیں!

زلفی بھائی کی دائمی جدائی کے بعد کہی گئی نظم



تم آؤ دیکھو، سراہو، کوئی تو بات کرو
تمہارے واسطے سولہ سنگھار کرتے ہیں



جل چُکے خواب تو پھر آگ بجھانے آیا
اک نئے ڈھنگ سے وہ چوٹ لگانے آیا

موم کے پُل سے گزر کر مجھے جانا تھا وہاں
اور سُورج ہی مرا ساتھ نبھانے آیا

بالمقابل ہے خزاں، آئنہ خندہ زن ہے
شہرِ ماضی کو بھلا کون بسانے آیا

میرے پیروں تلے آنکھیں جو بچھاتا تھا کبھی
کانچ کی کرچیاں وہ رہ میں سجانے آیا

○

اس لیے گُل کا گریباں چاک ہے
یہ کسی کا منتظر ہی رہ گیا!

عید اب کے برس نہیں آئی

ہے وہی آسماں، زمین وہی
ماہ و انجم اسی طرح روشن
کہکشاں اب بھی مُسکراتی ہے
پھُول کلیاں مہک رہی ہیں یونہی
بعد مُدت کے سارے پردیسی
اپنے اپنے گھروں کو آئے ہیں،
ہر طرف رنگ و بُو کا میلہ ہے
اور تنہا میں اپنے کمرے میں
کب سے بیٹھی ہوں اور سوچتی ہوں
جانے کیا بات ہے کہ گھر میں مرے

جو گزشتہ برس تھی رونق، اب
وہ کہیں بھی نظر نہیں آتی،
ہے فضا میں عجیب سنّاٹا
ہاں فقط ایک تیرے جانے سے
ایسا محسوس ہو رہا ہے مجھے
رُت خوشی کی تو ہر طرف آئی
صرف چھوٹے سے میرے آنگن میں
عید اب کے برس نہیں آئی!

زلفی بھائی کے بعد پہلی عید

برسات آ بھی چُکی

تُو نے اک روز کہا تھا مجھ سے
دور تجھ سے میں اگر ہو جاؤں
جال دُنیا کا ہے رنگین و حسیں
اس کے رنگوں میں اگر کھو جاؤں
تیری معصُوم سی ان باتوں کو
شوخ و سادہ سی تری یادوں کو
بُھول جاؤں بھی تو یہ یاد رہے
آج تجھ سے یہ مرا وعدہ ہے
جب بھی برسات ترے آنگن میں
پیار سے آن کے دستک دے گی

میں اسی روز چلا آؤں گا'

آج میں سوچ رہی ہوں کب سے

کیا ہوئی بات کہ تُو آیا نہیں

جب کہ برسات تو کل آ کے مرے

کچے آنگن میں رہی ہے شب بھر!

○

لوگ چشمہ جسے کہتے ہیں ذرا غور کریں

کوئی کہسار کسی یاد میں رویا ہو گا

سوچ کی حد

سوچ کی کوئی حد نہیں ہوتی
فاصلے اس میں کچھ نہیں ہوتے
گُفتگو دُوبدُو نہیں ہوتی
خواب اس میں نصیب ہوتے ہیں
سلسلے کچھ عجیب ہوتے ہیں
دل کی دھڑکن پیام دیتی ہے'
ایک پیاسے کو آ کے صحرا میں'
سوچ خود بڑھ کے جام دیتی ہے'
یُوں بھی ہوتا ہے بس اچانک ہی
کوئی انداز دل کو بھاتا ہے

اور سانسوں کی ڈور میں یکدم
اپنی خُوشبو اُتار جاتا ہے
سوچ کی کوئی حد نہیں ہوتی
رہ کے صدیوں کے فاصلے پہ کوئی
نین جھیلوں کے پاس ہوتا ہے
اور پاکر کسی کا قُرب یہاں
دل ہر اک پل اُداس ہوتا ہے'
سوچ کی کوئی حد نہیں ہوتی
جب بھی تنہا کسی کو پاتی ہے
سوچ اپنی جگہ بناتی ہے!

وفا

آج اک پھُول کو توڑا
تو یہ ادراک ہوا
پھول ٹُوٹے بھی تو خُوشبو سے تعلق نہ مٹے
آج اک پھُول کو توڑا
تو یہ خواہش جاگی
کاش انسان سے انسان کا رشتہ جگ میں
پھُول، خوُشبو کے تعلق کی ہی صُورت ہوتا

○

اہلِ مغرب روز بجھاتے ہیں لیکن
سُورج مشرق سے ہر روز نکلتا ہے

اب مت آنا

چاند ستارے رُوٹھ گئے ہیں
پھُول تھے ہم
اب دُھول ہوئے ہیں‘
یادوں کے انمول خزانے
آنکھوں میں ہیں دُھندلے دُھندلے
تیرا دھیما دھیما لہجہ
رات کے پچھلے پہر میں اکثر
یاد آتا ہے —— تڑپاتا ہے
لیکن اب واپس مت آنا‘
میرے بالوں کی راتوں میں

برف چمکتی ہے اب ہر سو‘
آنکھیں بُجھتے تاروں جیسی‘
چہرا بھی شاداب نہیں ہے‘
سانس بھی کچھ کچھ بے ہنگم ہے‘
ہونٹوں کی لالی بھی کم ہے‘
ہار دیا ہے میں نے سب کچھ
تیری چاہت میں دیکھا نا!
اب مت آنا‘ اب مت آنا

خوشبو

تم نے جو کہنا چاہا
میں نے وہ سب جان لیا
جیسے لفظوں کی اک مالا
اکثر ٹوٹ بھی جاتی ہے
دل کہتا ہے او زباں
کہنے سے گھبراتی ہے
میں نے راز تمہارے دل کا
بن اظہار کے جان لیا
لفظ اگر ہیں پھول کی صورت
خاموشی بھی خوشبو ہے!



سچ کو بھی سچ مانے کون
پرکھے اور پہچانے کون

رات کو خار مہکتے ہیں
آیا ہے بتلانے کون

روز سرہانے رکھتا ہے
پھولوں کے نذرانے کون

کل شب اترا آنکھوں میں
چنچل خواب چرانے کون

جھوٹ میں گھول کے سچ کا زہر
لکھتا ہے افسانے کون

بھیڑ میں تنہا سوچتی ہوں
کون اپنا، بیگانے کون

جیت گئی ہوں

بے بس ہو کر دل کے ہاتھوں میں نے سوچا
آج میں اُس کو فون کروں گی
اور کہوں گی
میں نے تم کو لاکھ بھُلایا
لوحِ دل سے نام تمہارا لاکھ مٹایا
لیکن جاناں! سچ پوچھو تو
دل کے ہاتھوں ہار گئی میں
آؤ اب کی بار ملیں تو، مر کر بچھڑیں
نمبر اُس کا ڈائل کر کے
اُس کے نرم سے لہجے کی "ہیلو" سُن کر بھی

چُپ نہیں ٹوٹی
دھڑک دھڑک کے دل بھی مچلا
کچھ تو بولو —— لب تو کھولو
لیکن آج ریسیور رکھ کر، کچھ بھی نہ کہہ کر،
اپنے دل سے
بالآخر میں جیت گئی ہوں!

دو شعر

اَن کہی بات کو اپنا جانو
منہ سے نکلی تو پرائی ہو گی

جب کیا ترکِ تعلق اُس نے
جانے کیا بات بنائی ہو گی

سُرخ گلُاب

میں نے نظروں سے اس کو چُوم لیا
جو مجھے تم نے خود دیا تھا کبھی
اک مہکتا ہوا سا سُرخ گلُاب
زندگی کی حسین راہوں میں
ان مہکتی ہوئی فضاؤں میں
اس کی خُوشبو میں دن گذاروں گی
مجھ کو جینے کا حوصلہ دے گا
اک مہکتا ہوا سا سُرخ گلُاب
میں اسی سوچ کے سمندر میں
غوطہ زن تھی کہ یک بیک مجھ کو

دُور رستے میں تم نظر آئے
تم کسی اجنبی سی لڑکی کو
دے رہے تھے خود اپنے ہاتھوں سے
اک مہکتا ہوا سا سُرخ گلاب!

O

سر پہ تانے گئے ہیں سات فلک
کس قدر بوجھ ہم اُٹھاتے ہیں !

خواب

بند آنکھیں تھیں
پھول کھلے تھے چاروں جانب
پچھتاتی ہوں کھول کے آنکھیں،
چاروں جانب زرد خزاں کی
چادر سر پر آن پڑی ہے
دُکھ کی گھڑی ہے

○

مت پُوچھو کس حال میں ہیں
شاید اندھے جال میں ہیں

اپنے روز و شب کا نہ پوچھ
عرصۂ ماہ و سال میں ہیں

عشق کی پُوچھو مت تفصیل
ہم تو ابھی اجمال میں ہیں

کیا ماضی، کیا مستقبل
ہم تو اپنے حال میں ہیں

ڈُھونڈا جب سے اپنا آپ
لگتا ہے پاتال میں ہیں

اچھی اور بُری باتیں
سب اپنے اعمال میں ہیں

اندیشہ

راہ کٹھن ہے
پاؤں بھی اب تھک سے گئے ہیں
لیکن پھر بھی سوچ کے رُکنا
سوچ کے مُڑنا
ایسا بھی ہو سکتا ہے جب
یُوں ہی پیچھے مُڑ کر دیکھو
تو تم پتھر کے ہو جاؤ

آنسو

آنکھوں کی اس نرم زمیں میں
آپ ہی آپ یہ اُگ آتے ہیں
جن کو آنسو کہتے ہیں —

دو شعر

ہمارے دیس کی حالت نہ پُوچھو
وہ ماں، جس کا کوئی بیٹا نہیں ہے

بتولؔ اِس دور کا انسان دیکھو !
قدر آور ہے مگر چہرا نہیں ہے

اعتراف

بہت کڑا تھا وہ ایک لمحہ
کہا جب آہستگی سے میں نے
نگاہیں تم سے چُرا کے اک دن
ہمارا ملنا نہیں ہے ممکن
جو بن پڑے تو بھلا دو مجھ کو
بہت کڑا تھا وہ ایک لمحہ

○

اقرار کر گیا کبھی انکار کر گیا
ہر بار اک عذاب سے دوچار کر گیا

میں بھی نہیں ہوں، تو بھی نہیں ہے تو اور پھر
وہ کون ہے جو صحن میں دیوار کر گیا

پلکوں پہ رکھ کے ہونٹ سبھی خواب چُن لئے
سوتے میں پھر کوئی مجھے بیدار کر گیا

رستہ بدل بدل کے بھی دیکھا مگر وہ شخص
دل میں اُتر کے ساری حدیں پار کر گیا

ضدی تھا وہ، تو میں تھی بلا کی انا پرست
آیا تھا جیتنے وہ مگر ہار کر گیا

زخموں کی کہکشائیں سجا کر وہ ہاتھ پر
ہر راہ میرے واسطے ہموار کر گیا

آنکھوں کی پُتلیوں میں سجا کر وہ خوابِ وصل
پھر ہجر کو نوشتۂ دیوار کر گیا

مجھے رُوٹھنے نہ دینا

Very Good

میں ستاؤں لاکھ تم کو
نہ مناؤں لاکھ تم کو
میری التجا ہے تم سے
جو کبھی میں رُوٹھ جاؤں
مجھے رُوٹھنے نہ دینا

سرگوشی

دشت میں دُھوپ کی شال اوڑھے ہوئے
کب سے ہوں میں کھڑی
کوئی سایہ نہیں
نہ ہی بادل کہیں
یک بیک یوں لگا
جس طرح چار سُو —— ہے تو ہی رُوبرُو
کہہ رہا ہے مجھے، ہولے ہولے سے یوں
آؤ ایسے ملیں
درمیاں نہ رہے، فرق اتنا سا بھی
کیا ہوں میں، کون تُو

اُس کو مجھ سے ہمدردی تھی

اُس نے مجھ سے آنکھیں مانگیں
اور پلکوں کی جھالر کالی
شرمیلی گالوں کی لالی
چہرے کی ساری شادابی
ہونٹوں کا وہ رنگ گُلابی
زُلفوں کی وہ رات گھنیری
پیشانی کی دُھوپ سنہری
لٹ ماتھے کی کان کی بالی
اور ادائیں بھولی بھالی
الھڑ اور معصُوم سا جوبن

چاندی بانہیں، من کا کُندن
اُس نے مانگا، میں نے سونپا
بھید مگر یہ آج کھلا ہے
پیار، وفا کی ساری باتیں تو وقتی تھیں
جذباتی تھیں —— لمحاتی تھیں
اُس کو مجھ سے ہمدردی تھی!



کتنے دھوکے اپنی خوشی سے ہم نے اکثر کھائے تھے
چاندی چاندی چہرے والے دل کے کالے پائے تھے

گھاؤ دل پر، خالی دامن، لے کر واپس جاتے ہیں
کیا کیا خواب بُنے تھے ہم نے، جب اس شہر میں آئے تھے

تھا احساس ستاروں کو اس جلتی ہوئی تنہائی کا
اسی لئے وہ آ آ کر ان پلکوں پہ مُسکائے تھے

کانٹوں نے جب جان لیا تو، ہم کو چھیڑا جی بھر کر
ہم نے ایک گُلاب کو جا کر جو بھی راز بتائے تھے

چھوٹا سا گھر، کچا آنگن، دو اک پھول تمہیں دُوں گا
واپس آنا بھُول گیا وہ، جس نے خواب دکھائے تھے

سہہ حرفی اک لفظ فقط، جو ہجر کو سمجھے، کیا سمجھے
اکثر ایک ہی چنگاری نے جنگل آن جلائے تھے

ہنستی ہوئی آنکھوں میں جھانکو، راکھ ملے گی جذبوں کی
پیڑ وہی جلتے دیکھے ہیں جن کے ٹھنڈے سائے تھے

چھلنی کس نے دل کر ڈالا، یہ کیونکر بتلائیں ہم
سمجھو سارے ہاتھ تھے اپنے، سارے تیر پرائے تھے

چاند، گُلاب اور مَیں

جو کہتا تھا اکثر مجھ کو
چاند، گُلاب اور تیرا چہرا
تینوں ایک سے لگتے ہیں،
شاید اس کو خوب خبر تھی،
چاند بنا ہے شب کا حصہ
اور گُلاب کے سر پر پت جھڑ
مجھ کو دردِ ہجر ملا ہے!



راہِ پُرخار میں ہم آنکھوں کو دَھر سکتے ہیں
گو یہ مُشکل ہے، ترے واسطے کر سکتے ہیں